بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل قادیان

روزنامہ الفضل قادیان

ایڈیٹر- رحمت اللہ خان شاکر

یوم سہ شنبہ

جلد ۳۱ | ۶/ ماہ شہادت ۱۳۲۲ ہش | ۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ | ۶/ اپریل ۱۹۴۳ء | نمبر ۸۱

مدینۃ المسیح

قادیان ۵ ماہ شہادت ۱۳۲۲ہش سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے متعلق سوا دس بجے صبح کی اطلاع مظہر ہے۔ کہ حضور کی صحت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے الحمد للہ

فنانشل سکرٹری تحریک جدید لکھتے ہیں۔ تحریک جدید میں جن کارکنوں نے اچھا کام کیا۔ اور جن مجاہدین نے سال نہم کے وعدے ۳۱ مارچ تک مرکز میں داخل کر دئے ہیں۔ انکی فہرست جو ۱۵۸۴ دوستوں پر ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حضور دُعا کیلئے پیش کر دی گئی ہے۔ بفضل خدا تحریک جدید کا سال ہشتم بلحاظ وعدہ گذشتہ تمام سالوں سے زیادہ تھا۔ مگر سال نہم کے وعدے سال ہشتم سے بھی بیس فیصدی اضافہ پر ہیں۔ اور سال ہشتم کی پہلے چار ماہ کی وصولی چھتیس فیصدی تھی۔ لیکن سال نہم کی پہلے چار ماہ کی وصولی ۳۱ مارچ تک پنتالیس فیصدی ہے۔ الحمد للہ اللہم زد فزد۔ احباب کرام اور کارکنان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گذارش ہے کہ

خطبہ جمعہ

انسان کو اپنے ارادوں کی باگ ڈور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنی چاہیئے

ظاہری سامانوں کو نہ دیکھو بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھو

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۱۲ ماہ تبلیغ ۱۳۲۲ہش مطابق ۱۲ فروری ۱۹۴۳ء

(مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل)

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔
اس دنیا کے کارخانہ میں بھی

عجیب عجیب نظارے

نظر آتے ہیں۔ اور انسان جو اپنے علم اور اپنی عقل اور اپنے فہم پر اس قدر مغرور ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرتوں پر بھی اعتراض اور جرح اور تنقید سے نہیں رکتا۔ اگر اس کے اعمال اور اس کی زندگی کے سفر پر ایک مجموعی نگاہ ڈالی جائے۔ تو وہ ایسا پریشان اور حواس باختہ نظر آتا ہے۔ کہ اس کی ان دونوں حالتوں کا مقابلہ نہایت ہی تعجب انگیز ہو جاتا ہے۔ ایک وقت میں تو وہ کہیں خدا تعالیٰ کے قانون قدرت پر معترض ہوتا ہے۔ کہیں خدا تعالیٰ کے قانونِ شریعت کو قابل تبدیل قرار دیتا ہے کہیں خدا تعالیٰ کی صفات میں اصلاح کرنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرے وقت میں وہ بالکل ایک تنکے کی طرح جو پانی میں تیر رہا ہو نظر آتا ہے۔ اور اس کے اندر کسی مقابلہ اور مقاومت کی طاقت نہیں ہوتی وہ صرف پھڑ پھڑاتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ آج ایک چیز کسی رنگ میں نظر آتی ہے۔ تو کل وہ بالکل ہی شکل بدل لیتی ہے۔ ایک طاقت اور قوی انسان جس سے دنیا ڈر رہی ہوتی ہے۔ چند گھنٹوں میں ایک بے جان لاشہ ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کو مٹی کے نیچے دفن کر کے گھروں میں واپس آ جاتے ہیں۔ اور انسان تو انسان چھوٹے چھوٹے کیڑے بھی اس سے نہیں ڈرتے۔ بلکہ کیڑے اسے اپنی غذا بنا لیتے ہیں۔ ایک

حقیر اور کمزور انسان

جس کا ادب اور احترام کسی کے دل میں بھی نہیں ہوتا۔ وہ یکدم ایسی نمایاں ہستی بن جاتا ہے۔ کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ تمام باتیں اور نظارے جو ہمیں روزانہ نظر آتے ہیں۔ جن کی صداقت پر

دُنیا کے تمام ممالک

کی تاریخوں کے صفحات گواہ ہیں۔ ہمیں اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ کہ ہمیں اپنے فیصلوں اور کاموں میں اپنی عقل اور سمجھ پر کلی طور پر انحصار کی عادت چھوڑ دینی چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو تمام غیبوں کو جاننے والا ہے ہمیشہ

اپنے ارادوں اور خیالات کی باگ ڈور

پھیرنی چاہیئے۔ کیونکہ اسی کے پاس جا کر اور اسی کے قرب میں رہ کر انسان ان چیزوں کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔ جن کی حقیقت عام طور پر انسان کی نگاہ سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہی جنگ جو آجکل جاری ہے اسی کو دیکھ لو۔ کس طرح تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اس میں مختلف دور آتے ہیں۔ کبھی اس پر یہ دور آیا۔ کہ یوں معلوم ہوتا تھا اب جرمن تباہ ہونے لگا۔ پھر دوسرا دور آیا جس میں فرانس کی طاقت چند دنوں کے اندر اندر اس طرح کھیل گئی۔ جس طرح کوئی بڑا ابیل دیوار پر لٹکائی ہوئی یا کسی جھاڑی پر لٹکائی ہوئی رضائی کے پرزے اڑا دیتا ہے۔ یا روئی دھننے والا روئی کو دھنک کر رکھ دیتا ہے۔ وہ طاقت جو اکیلی ہی اپنے آپ کو

جرمنی کا مدمقابل

سمجھتی تھی جس نے آج سے بیس سال پہلے جرمنی کے بعض علاقوں پر سالوں تک حکومت کی تھی اور جس کا جرمن لوگوں پر اس رنگ میں اقتدار چھایا ہوا تھا۔ کہ گویا وہ اس حکومت کے مقابلہ میں بالکل بے کس اور بے بس تھے۔ وہ بیس سال کے بعد سالوں میں نہیں۔ مہینوں میں نہیں دنوں میں اس طرح اڑ گئی۔ کہ اس کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اور دنیا نے یہ خیال کیا۔ کہ اب جرمنی نہ معلوم کیا کر دے گا۔ پھر اس

جنگ پر دوسرا دور

آیا۔ اور جرمنی کے ایک ساتھی کو مصر میں اتنی بڑی اور عظیم الشان شکست ہوئی کہ یہ خیال کر لیا گیا۔ کہ اب انگریزی لشکر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ اور غالباً اٹلی کے ساحلوں پر ہی جا کر دم لے گا۔ اور پھر اس میں تغیر پیدا ہوا اور دشمن نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے خیال کیا کہ شائد انگریزی حکومت آخری دموں پر ہے۔ یہی حال روس میں بھی ہوا کہ ہر ششماہی کے بعد نقشہ الٹ گیا۔ پہلی ششماہی میں روس کے متعلق یہ خیال کیا گیا۔ کہ وہ بالکل تباہ ہو جائے گا۔ دوسری ششماہی میں یہ خیال کیا گیا۔ کہ اس کی فوجیں جرمنی میں داخل ہو جائینگی تیسری ششماہی میں یہ خیال کیا گیا۔ کہ روس بچتا نظر نہیں آتا۔ اور اب چوتھی ششماہی میں پھر لوگ یہ آس لگائے بیٹھے ہیں۔ کہ

روسی فوجیں جرمنی میں

داخل ہو جائیں گی۔ کبھی ایک لمحہ کے لئے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال طاری ہو جاتا ہے۔ کہ فیسی ازم دنیا میں قائم ہو جائے گی۔ اور کبھی دوسرے لمحہ وہ اس شبہ میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ کہ شائد بالشویک اب دنیا میں حکمران ہو جائیں گے۔ مگر کون یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے سوائے اس کے جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملی ہو۔ کہ

آئندہ زمانہ میں کیا ہونے والا ہے

اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کس طرف یا کس طرف سے دنیا کو کیا فائدہ یا کیا نقصان پہونچنے والا ہے

جہاں تک خدا تعالیٰ کا جانب ہے۔ وہ تو دونوں طرف سے خالی ہے۔ نہ اتحادیوں کو خدا تعالیٰ سے کوئی جوڑ ہے۔ اور نہ ان محوریوں کو خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق ہے۔ نہ وہ چاہتے ہیں۔ کہ خدا کا مذہب دنیا میں پھیلے۔ اور نہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ خدا کا مذہب دنیا میں پھیلے۔ نہ وہ توحید کے قائل ہیں نہ یہ توحید کے معترف ہیں پس جہاں تک مذہب کا تعلق ہے۔ وہاں تک تو ایک مومن شائد یہ کہنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ کہ سہ

ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت

یعنی مجھے اس سے کیا واسطہ کہ گائے آگیا اور گدھا گیا۔ جو آئے یا جو جائے مجھے اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک

سیاسیات کا تعلق

ہے۔ قدرتی طور پر ہر جماعت جس کی کسی حکومت سے وابستگی ہے۔ وہ اس سے ہمدردی رکھتی ہے۔ جن جماعتوں کو اپنی آئندہ بہتری انگریزوں یا امریکنوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں نظر آتی ہے۔ وہ قدرتی طور پر خواہشمند ہیں۔ کہ انگریزوں اور امریکنوں کو اس جنگ میں فتح حاصل ہو۔ اور جن جماعتوں کا فائدہ جرمنوں اور جاپانیوں کی فتح میں ہے۔ وہ قدرتی طور پر یہ آس لگائے بیٹھی ہیں۔ کہ اس جنگ میں جرمنوں اور جاپانیوں کو فتح حاصل ہوگی یہ خیال نہیں کیا جا سکتا۔ کہ

انگریزوں اور امریکنوں کے ہمدرد

تو موجود ہیں۔ مگر جرمنوں اور جاپانیوں کے ہمدرد نہیں۔ ہندوستان میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو جرمنوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور غیر ممالک میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو جرمنوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ بلکہ آجکل کوئزلنگ (Quisling) کی ایک نئی اصطلاح جو دنیا میں رائج ہے وہی بتاتی ہے۔ کہ جرمنوں کے ہمدرد ہر ملک میں موجود ہیں۔ فرانس میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو جرمنوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کا موجودہ وزیر اعظم تو بار بار اصرار سے اعلان کر رہا ہے کہ

دنیا میں امن کا قیام

اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب جرمنوں کو فتح حاصل ہو۔ اسی طرح ایسے لوگ رومانیہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہنگری میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بلجیم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ڈنمارک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہالینڈ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ سپین میں بھی پائے جاتے ہیں۔ امریکہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ہندوستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ

عرب کی بغاوت

نے بھی بتا دیا۔ کہ وہاں بھی جرمنوں سے ہمدردی رکھنے والا عنصر موجود ہے۔ اور ایران کی بغاوت نے بتا دیا۔ کہ وہاں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو جرمن قوم کی فتح کو پسند کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں۔ جو جرمن فتوحات کو اپنے ممالک کے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دنیا میں ایسی جماعتیں بھی ہیں۔ جو انگریزی فتح کو اپنے لئے زیادہ مفید خیال کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس جس کے فائدے جس جس حکومت سے وابستہ ہیں۔ وہ اس حکومت کی فتح کو اپنے لئے بہتر خیال کرتا ہے۔ ہندوستان چونکہ ایک لمبے عرصہ تک انگریزوں کے ماتحت رہ چکا ہے۔ اور اس کا انگریزی حکومت سے

خیالات اور علوم میں اتحاد

ہو چکا ہے۔ اور یہ لازمی بات ہے۔ کہ جس قوم کے ماتحت کوئی شخص ایک لمبے عرصہ تک رہتا ہے اس کے جذبات احساسات اور افکار اس پر اثر کر جاتے ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے رہنے والے انگریزی پڑھنے انگریزی لٹریچر کو اپنے مطالعہ میں رکھنے اور ایک لمبے عرصہ تک انگریزوں کے ماتحت رہنے کی وجہ سے جس حد تک

انگریزی جذبات اور احساسات سے متاثر

ہو سکتے ہیں۔ اس حد تک جرمن جذبات اور احساسات سے متاثر نہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں۔ کہ اس جنگ میں انگریزی حکومت کو فتح حاصل ہو۔ اسی طرح انسان جس کے ساتھ ایک لمبے عرصہ تک رہے۔ اس کے عیبوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس کی خوبیوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اس کا کسی دوسرے کے ساتھ معاملہ پیش آئے ان وجوہ کی بناء پر قدرتی طور پر یہ

ہندوستان کا سمجھدار طبقہ

یہ خواہش رکھتا ہے۔ کہ انگریز ہندوستان میں رہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے میرے لئے ان کے ساتھ معاملہ کرنا آسان ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ جرمنوں کے ساتھ میرے معاملات طے ہوں۔ اسی طرح ہندوستانیوں میں قدرتی طور پر یہ احساس پیدا ہو چکا ہے۔ کہ انگریزوں نے ایک لمبے عرصہ تک حکومت کر لی ہے۔ جس کی وجہ سے اب وہ حکومت سے سیر ہو چکے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں ہمیں انگریزوں کے ماتحت جتنی

اپنی آزادی کی امید

ہو سکتی ہے۔ اتنی امید جرمنوں یا جاپانیوں کے ماتحت نہیں ہو سکتی۔ ان تمام امور کی بناء پر ہندوستان کا وہ طبقہ جو سمجھدار ہے۔ اور جو جذبات کو عقل پر حاکم نہیں ہونے دیتا۔ انگریزوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔ مگر ایسی ہی ہمدردی جرمن یا جاپان والوں سے ان کے علاقہ کے رہنے والوں کو ہے۔ پھر اگر ایک طرف ہمیں ایک ایسی رَو نظر آتی ہے۔ جو ظلم اور استبداد پر مبنی ہے تو دوسری طرف گو ایک حصہ مذہب کا پابند اور دین کا قائل ہے۔ مگر ان کے اتحادیوں میں سے ایک دہریہ جماعت بھی نظر آتی ہے۔ جو مذہب کو دنیا سے مٹانے کا تہیہ کئے ہوئے ہے ان سارے حالات میں ایک مومن

کس یقینی رائے پر قائم

ہو سکتا ہے۔ اور وہ کونسی رَو اور کونسی تحریک پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ کلی طور پر دین کے لئے مفید ہوگی۔ جہاں ہمیں ایک پھول نظر آتا ہے۔ وہاں اس کے ساتھ دس کانٹے بھی اُگے ہوئے ہیں۔ اور جہاں ہمیں صحت کے لئے کوئی عمدہ اور کارآمد دوائی نظر آتی ہے وہاں بیماریوں کے دس سامان بھی نظر آ جاتے ہیں۔ پس کونسی چیز ہے۔ جس پر ایک مومن اعتماد اور اعتبار کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر یہ نتیجہ نکلے تو اسلام کے لئے اچھا ہوگا۔ اگر جرمن جیتے تو یقیناً فیسزم جو

مذہب اور آزادی ضمیر

کو کچل دیتی ہے۔ انسان کو مدتوں تک اپنا غلام بنائے رکھے گی۔ اور اگر اتحادی جیتیں تو گو ان کا ایک حصہ مذہب کا پابند ہے۔ مگر انہی کے دامن کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ ہمیں روس دکھائی دیتا ہے جو دہریت اور الحاد کی تائید کر رہا ہے پس اس وقت

مومن کی مثال

درحقیقت ایسی ہی ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ کہ کوئی عورت تھی۔ جس کی ایک لڑکی مالی کو بیاہی ہوئی تھی اور دوسری لڑکی ایک کمہار سے بیاہی ہوئی تھی۔ جب کبھی بادل آتا۔ تو وہ گھبرا کر ادھر سے ادھر پھرنا شروع کر دیتی۔ اگر کوئی ہمسایہ اس سے پوچھتیں۔ کہ بی بی تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔ اور کس لئے کمرے ادھر ادھر ٹہل رہی ہو۔ تو وہ جواب دیتی۔ کہ میری

دو بیٹیوں میں سے

ایک کی خیر نہیں وہ پوچھتیں کس طرح۔ تو وہ کہتی اب بادل آیا ہوا ہے۔ میں حیران ہوں کہ کیا کہوں۔ بادل برسے یا نہ برسے۔ اگر بادل نہ برسے گا تو میری مالن لڑکی مر جائے گی۔ اور اگر بادل برسے گا تو میری کمہار لڑکی تباہ ہو جائیگی۔ پس ان حالات میں جہاں ایک مومن کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ دنیوی سامانوں کے ماتحت جس حد تک اپنی آئندہ بہتری کا انتظام کر سکتا ہے کرے وہاں اس کا

ایک بڑا ضروری کام

یہ بھی ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور بڑے فکر اور توجہ سے دعائیں کرے اور کہے خدایا مجھے اپنے چاروں طرف بلائیں ہی بلائیں نظر آتی ہیں۔ اور اگر ایک سکھ نظر آتا ہے تو دس دکھ اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان حالات میں یہ میرے بس کی بات نہیں۔ کہ میں دکھ سے بچ سکوں اور سکھ کو حاصل کر سکوں۔ کیونکہ وہ آپس میں اس طرح ملے ہوئے ہیں۔ کہ میں انہیں جدا جدا نہیں کر سکتا۔ یہ تیرا ہی کام ہے اور میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ تو اپنے فضل سے خود ہی یہ کام میری طرف سے کرے اور مجھے وہ چیز دے۔ جو میرے لئے ہر لحاظ سے مفید اور بابرکت ہو۔ مثلاً جیسے میں نے ابھی بتایا ہے جہاں تک ہمارا تعلق ہے۔ اور جہاں تک

ملکی فوائد کا تعلق

ہے ہمیں یہی نظر آتا ہے۔ کہ انگریزوں کی کامیابی اور فتح ہمارے لئے مفید ہے۔ مگر انگریزوں کی کامیابی کے ساتھ ہی روس کی کامیابی بھی آ جاتی ہے۔ جو دہریت کو قائم کرنے والی اور مذہب کو برباد کرنے والی حکومت ہے۔ اور ادھر سے اگر جرمن کامیاب ہو جائیں۔ تو ہمیں بھی

دنیا اور دین کی تباہی

نظر آتی ہے۔ گویا ہر طرف مصیبت دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر بات میں آفت نظر آتی ہے ہم اپنے ملکی اور سیاسی حالات کی وجہ سے اور اس تعلق کی بناء پر جو ہمارا انگریزوں کے ساتھ ہے یہ سمجھتے ہیں۔ اور اچھی طرح سمجھتے ہیں

کہ ان کی کامیابی میں ہی ہمارے لئے ترقی اور سہولت کی راہیں ہیں۔ اسی لئے ہم انگریزوں کی کامیابی کے لئے دُعائیں کرتے ہیں۔ مگر نہ معلوم اللہ تعالےٰ نے کس حکمت کے ماتحت رُوسیوں کو بھی انگریزوں کے پلّے باندھ دیا ہے۔ شاید اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دنیا میں

کسی نئے تغیر کی بنیاد

رکھنا چاہتا ہے۔ بہرحال ان دنوں میں ہمیں دُعاؤں کی طرف بہت زیادہ توجہ کرنی چاہیئے اور اللہ تعالےٰ کے حضور نہایت ہی عاجزی اور انکساری کے ساتھ عرض کرنی چاہیئے۔ کہ یا اللہ اسلام کا خانہ پھر بھی خالی نظر آتا ہے۔ اگر ایک کامیابی میں ایک ایسے گروہ کو طاقت ملتی ہے۔ جو مذہب اور عقیدہ کا دشمن ہے تو دوسرے گروہ کی کامیابی میں جو گو مذہب اور عقیدہ کا دشمن نہیں۔ یہ خطرہ موجود ہے کہ اس کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی ایسا ہے۔ جو مذہب اور دینی عقائد کا شدید دشمن ہے۔ بیشک ہمارے اندر یہ طاقت نہیں۔ کہ ہم لوگوں کے

دِلوں کو بدل سکیں

مگر ہمارے خدا میں تو یہ طاقت ہے کہ وہ دلوں کو بدل دے۔ پس گو ہم کچھ نہ کر سکیں مگر خدا تعالےٰ ایسے سامان کر سکتا ہے۔ کہ بظاہر اس جنگ میں گو ایک بات ہمارے مخالف نظر آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اسی میں سے ہمارے لئے بہتری کے سامان پیدا کر دے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔ قریب ہے۔ کہ ایک چیز ایسی ہو۔ جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اس میں تمہارے لئے بھلائی کے سامان رکھے ہوئے ہوں۔ پھر فرماتا ہے۔ عسیٰ ان تحبّوا شیئاً وھو شرّ لکم۔ قریب ہے۔ کہ ایک چیز ایسی ہو جس کو تم پسند کرتے ہو۔ مگر اس کا نتیجہ تمہارے لئے بُرا نکلے۔ پس بیشک ہمارے اندر کوئی طاقت نہیں۔ مگر

خدا تعالیٰ کی طاقت اور قوت

میں یہ بات ہے۔ کہ وُہ ایسے سامان پیدا کر دے۔ کہ وہ چیز ہمیں بُری نظر آتی ہے۔ اسی میں ہمارے لئے خیر پیدا ہو جائے۔ مثلاً اگر ہم اس نقطۂ نگاہ سے دیکھیں۔ کہ گو رُوسی دہریّہ ہیں۔ مگر وہ اب تک ساری دُنیا سے الگ رہے ہیں۔ اور مذاہب کو اپنے قریب آنے سے ہمیشہ روکتے رہے ہیں مگر اس دوستی کی وجہ سے جو روسیوں اور انگریزوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ ممکن ہے۔ وہ آئندہ اپنے ملک کے دروازے زیادہ کھلے رکھیں۔ اور ممکن ہے وُہ غیر لوگوں کو اپنے ملک میں آنے دیں۔ اور اُن کے ذریعہ مذہبی خیالات کا تبادلہ ہو۔ اور اس کے نتیجہ میں قوم کی ایسی اصلاح ہو جائے۔ جو ہمارے لئے مفید ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس جنگ کے نتیجہ میں وہ ایسے نڈھال اور کمزور ہو جائیں۔ کہ وہ اس امر پر خود ہی غور و فکر کرنا شروع کر دیں۔ کہ ہم نے مادی ذرائع کا استعمال کر کے تو دیکھ لیا۔ مگر ہمیں سچی خوشحالی نصیب نہیں ہوئی۔ آؤ ہم پھر مذہب کی طرف رجوع کریں۔ شاید اسی ذریعہ سے ہمیں سچی راحت اور اطمینان حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی

موجود ہے۔ کہ رُوس کے اندر احمدیت پھیل جائے گی۔ پس ہم جانتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ ضرور ایسے سامان پیدا کر دے گا۔ جن کے نتیجہ میں رُوس میں احمدیت پھیل جائے گی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں"۔ میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ زارِ رُوس کا سونٹا میرے ہاتھ میں آگیا ہے"۔ (تذکرہ صفحہ ۴۲۹) اس میں بھی

ایک بہت بڑی پیشگوئی

ہے۔ جس کی تفصیلات کا یہ وقت نہیں۔ مگر ایک بات جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اور جو اس پیشگوئی سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ رُوس کے ملک میں احمدیت کا غلبہ ہو جائیگا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض دوسرے الہامات میں اس کا رستہ اور ترکیبیں بھی بتائی گئی ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ہم نے اب تک ان سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یا شاید اب تک ہم ان سے فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں ہوئے اور ہمیں ایسے ذرائع میسّر نہیں ہوئے جن سے یہ کام کیا جا سکے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشگوئی ہے۔ کہ اسلام اس ملک میں پھیلے گا۔ اور احمدیت کو ترقی حاصل ہوگی۔ پس ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم اُن سامانوں کو نہ دیکھیں جو اس وقت ظاہر ہیں۔ بلکہ

اللہ تعالےٰ کے وعدوں پر یقین

رکھتے ہوئے اس سے دُعائیں کریں۔ کہ وہ ان غیبی سامانوں کو جو اس پیشگوئی کے محرک ہیں اپنے فضل سے نمایاں کر دے۔ اور ان کو بڑھائے یہانتک کہ اسلام اور احمدیت کی ترقی اور اسکے قیام کے سامان پیدا ہو جائیں۔ پس

ہمارا کام اس وقت

یہی ہے۔ کہ ہم دُعائیں کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کو فتح دے۔ اور وہ سیاسی تغیرات جو ہمارے ملک کیلئے مضر ہیں۔ ان کو دُور کرے۔ اور وہ سیاسی تغیرات جو ہمارے ملک کے لئے مفید ہیں۔ ان کے جلد پیدا ہونے کے اسباب مہیّا فرمائے۔ اسی طرح دوستوں کا فرض ہے کہ وہ رات اور دن جب بھی انہیں موقع ملے یہ دُعائیں کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ ان تمام تغیرات میں

اسلام اور احمدیّت کی ترقی کے سامان

پیدا فرمائے۔ اور اگر کوئی تغیر اس ترقی کے مخالف ہو تب بھی اس کے فضل سے ایسا بیج بویا جائے جو بڑا ہو کر ایک دن لوگوں کو اسلام اور احمدیت کے جھنڈے کے نیچے لے آئے۔

غرض جہاں تک ظاہری سامانوں کا تعلق ہے جس طرف نظر اُٹھتی ہے۔ اسلام اور احمدیت کے مخالف سامان نظر آتے ہیں۔ مگر جہانتک

خدا تعالیٰ کے سامانوں کا تعلق

ہے۔ وہ ہمارے حق میں ہے۔ اور درحقیقت یہی وقت ہوتا ہے۔ جب بندے کی دُعائیں اُسکے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی برکت کا باعث ہوتی ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کا فیصلہ بھی خلاف ہو۔ اور دنیوی سامان بھی مخالف ہوں۔ اُس وقت وہی لوگ دنیا میں بس رہے ہوتے ہیں۔ جو خدا تعالےٰ کے غضب کے مورد ہوتے ہیں۔ بغداد کی جب تباہی ہوئی۔ تو لوگ ایک بہت بڑے مشہور بزرگ کے پاس گئے۔ اور اُن سے کہا۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وُہ بغداد میں مسلمانوں کو مغلوں کے حملوں سے بچائے۔ انہوں نے کہا۔ میں دُعا تو کرتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ جب میں اپنے ہاتھ دُعا کے لئے اٹھاتا ہوں۔ مجھے

آسمان سے فرشتوں کی چیخ و پکار

سنائی دیتی ہے۔ جو بڑے زور سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ یا ایّھا الکفار اقتلوا الفجّار۔ اے کافرو۔ بغداد کے ان فاسق و فاجر لوگوں کو قتل کر دو۔ تو دیکھو۔ اُس وقت زمین کے حالات بھی خلاف تھے اور آسمان کے حالات بھی خلاف تھے۔ اس لئے گو بعض دُعائیں کرنے والے دُعائیں کرتے تھے۔ مگر اُن کی دُعائیں رد کر دی جاتی تھیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت فسق و فجور میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اور جب زمین کے حالات بھی موافق ہوں اور آسمان کے حالات بھی موافق ہوں۔ تو اس وقت دُعا صرف نام کی چیز ہوتی ہے۔ وہ دُعا بھلا

لوگوں کے دلوں پر کیا اثر

ڈال سکتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طاقت اور قدرت کو وہ کیا ظاہر کر سکتی ہے۔ ریل کا انجن جا رہا ہے ایک شخص کا پاؤں پھسلتا ہے اور وہ انجن کے آگے جا پڑتا ہے۔ اُس وقت اگر کوئی دشمن پاس سے گذر رہا ہو۔ اور وہ دُعا کرنے لگ جائے۔ کہ یا اللہ یہ شخص مر جائے۔ تو بیشک وہ مر جائے گا۔ مگر اس دُعا کا لوگوں پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کوئی معجزہ ظاہر ہوا ہے۔ ہر کوئی کہیگا۔ کہ پاگل تجھے دُعا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وُہ تو پہلے ہی مر رہا تھا۔ ایک شخص کو ہیضہ ہو جاتا ہے۔ طاعون ہو جاتی ہے۔ لوگ ان مرضوں سے بچ بھی جاتے ہیں۔ مگر اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں جو مر جاتے ہیں۔ اب اگر کسی شخص کو طاعون یا ہیضہ ہو جائے۔ اور اس کا کوئی دشمن ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے لگ جائے۔ کہ یا اللہ میرے دشمن کو ہلاک کر دے۔ تو سب لوگ اُسے کہیں گے۔ کہ تیری اس دُعا کا کیا فائدہ ہے۔ وہ تو پہلے ہی مر رہا ہے۔ تو جب

آسمان کا فیصلہ

بھی مخالف ہو۔ اور زمین کے حالات بھی مخالف ہوں۔ تب بھی دُعا کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اور جب آسمان کے حالات موافق ہوں اور زمین کے حالات بھی موافق ہوں۔ تب بھی دُعا کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ وُہ عبادت تو ہوتی ہے۔ مگر اُسے

دُنیا میں تغیّر پیدا کرنیوالی دُعا

نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ پہلے ہی اس کے حق میں ہوتا ہے۔ مگر جب زمین کے حالات موافق ہوں۔ اور آسمان کے مخالف

ہوں۔ یا آسمان کے موافق ہوں اور زمین کے مخالف ہوں۔ تب دعا حقیقی معنوں میں دُعا کہلاتی ہے۔ اور وہی دُعا ہوتی ہے۔ جسکے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں خصوصاً جب زمین کے حالات مخالف ہوں اور آسمان کے حالات موافق ہوں۔ کیونکہ اُس وقت دُعا سننے والا دُعا سننے پر تیار ہوتا ہے۔ جب زمین کے حالات موافق ہوں اور آسمان کے مخالف۔ تب دُعا سننے والا اتنا تیار نہیں ہوتا۔ جتنا اسوقت ہوتا ہے۔ جب زمین کے حالات تو مخالف ہوں۔ مگر آسمان کے حالات موافق ہوں۔

اس وقت ہماری بھی یہی حالت ہے۔ کہ

زمین کے حالات ہمارے مخالف

ہیں۔ مگر آسمان کا فیصلہ ہمارے حق میں ہے۔ ظاہری سامانوں کے لحاظ سے ایک طرف دہریت اپنا منہ کھولے کھڑی ہے۔ ایک طرف فیسزم دنیا پر غالب آنا چاہتی ہے۔ ایک طرف موجودہ فلسفہ اسلام اور احمدیت کے خلاف لوگوں کے دلوں میں زہر پیدا کر رہا ہے۔ اور اگر ہمارے کان ہوں اور ہم زمانہ کی عملی آواز کو سُن سکتے ہوں۔ تو وہ ہمیں ہر وقت یہی کہتا نظر آ رہا ہے۔ کہ اسلام ختم ہوا۔ احمدیت برباد ہوئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی دُوسری طرف

آسمان سے ایک اور آواز

ہمارے دوسرے کان میں آ رہی ہے کہ دہریت ختم ہوئی۔ اسلام قائم کیا گیا۔ احمدیت غالب کی گئی اور خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اسکی مدد کے لئے اُتر رہے ہیں۔ پس ہمارا ایک کان اگر ایک آواز سنتا ہے۔ تو ہمارا دُوسرا کان دُوسری آواز سُنتا ہے۔ اور میں نے بتایا ہے۔ کہ یہی

دُعا کا بہترین وقت

ہوتا ہے۔ اُسوقت خدا جب بندے کی دُعا کو سُنتا ہے۔ تو وہ صرف بندے پر ہی فضل نہیں کر رہا ہوتا۔ بلکہ اپنا کام بھی کر رہا ہوتا ہے۔ بندے کا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کو پُورا کر لیتا ہے۔ اور اپنے لئے ترقی اور کامیابی کے رستے تلاش کر لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا فائدہ اس میں یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کا مقصد پُورا ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی

قدرت اور شان

دُنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس جب دُنیا مخالف ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ کا ارادہ اور ہو۔ تو اُسوقت خدا جب اپنے ارادے کو پُورا کرتا ہے۔ تب دُنیا سمجھتی ہے۔ کہ واقعہ میں کوئی زندہ خدا موجود ہے۔ گویا صرف بندے کا ہی کام نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کا بھی کام ہوتا ہے۔ اور صرف بندے کی ہی شان ظاہر نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ کی شان بھی ظاہر ہوتی ہے۔ پس ایسے وقت میں دُعائیں ایک خاص اثر رکھتی ہیں۔ اور ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم ہمیشہ

اپنی دُعاؤں میں اِس نکتہ کو ملحوظ

رکھیں۔ مجمل دُعائیں تو انسان کرتا ہی ہے۔ مگر وہ اتنا فائدہ نہیں دیتیں جتنا فائدہ وُہ تفصیلی دُعائیں دیتی ہیں۔ جو حقیقت کو پُوری طرح سمجھ کر کی جاتی ہیں۔ پس صرف دنیوی سامانوں کو دیکھ کر دُعائیں نہ کرو۔ بلکہ

رُوحانی بصیرت سے کام لیتے ہوئے

اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر گرو۔ اور اس سے کہو۔ کہ الٰہی ہمیں چاروں طرف سے گمراہی نظر آتی ہے۔ جو چیزیں ہمارے ملک یا ہمارے مذہب کے لئے مفید ہیں۔ اُن کے ساتھ اتنی خرابیاں ملی ہُوئی ہیں۔ کہ ہم اپنی طاقت سے ان خرابیوں سے بچ نہیں سکتے۔ تیرے حضور ہم التجا کرتے ہیں۔ کہ ہمیں ان خرابیوں سے بچا لینا۔ اور جو اچھی باتیں ہیں۔ اُن سے حصہ دینا۔ یہ تیرے اختیار کی بات ہے۔ ہمارے اختیار کی نہیں۔ اس لئے ہم تجھ سے ہی درخواست کرتے ہیں کہ جو چیزیں ہمیں اچھی نظر آتی ہیں۔ اُن کے ساتھ جو تاریک پہلو ہیں۔ اُن کی تاریکی اور ظلمت سے ہمیں بچالے۔ اور خوبیوں سے ہمیں حصہ دے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کی ایک دفعہ مکہ والوں نے بڑی ہتک کی۔ انہوں نے اشعار کے ذریعہ آپؐ کی ہجو کہنی شروع کر دی۔ اسی طرح وہ اشعار میں آپؐ کے خاندان کی بھی ہتک کرتے۔ جب اُن کی شرارت بہت بڑھ گئی۔ تو

حسان بن ثابت

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ اب تو حد ہو گئی۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی کفار کی ہجو کہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ میں اجازت تو دے دوں۔ مگر حسان تجھے معلوم ہے۔ کہ جو لوگ مجھ پر حملہ کر رہے ہیں۔ ان کے باپ دادا اور میرے باپ دادا ایک ہی ہیں۔ اگر ان کے باپ دادا کی تو نے ہجو کی تو وہ میرے باپ دادا کی ہی ہجو ہوگی۔ اس لئے میں اس کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ حضرت حسان بن ثابت کہنے لگے یا رسول اللہ یہ خیال جانے دیجئے۔ میں آخر شاعر ہوں۔ میں اس طرح آپ کے باپ دادا کو ان کے باپ دادا سے الگ کر لوں گا۔ جس طرح مکھن میں سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسانؓ اگر

اپنے فن میں کمال

رکھنے کی وجہ سے ایسا کر سکتے تھے۔ کہ مکہ والوں کی ہجو کرتے ہوئے وہ اس طرح ہجو کریں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد پر کوئی حملہ نہ ہو۔ اور وہ آپؐ کے آباء و اجداد اور ان کفار کے آباء و اجداد کو الگ کر لیں۔ تو کیا وہ کام جو حسانؓ نے کیا۔ وہ ہمارا خدا نہیں کر سکتا۔ یقیناً جو کام حسانؓ نے کیا تھا۔

ہمارا خدا اس سے بہت زیادہ

کر سکتا ہے۔ اور وہ یقیناً ایسے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ کہ گو بظاہر شر اور خیر ملا ہوا ہو۔ مگر وہ پھٹک پھٹک کر دونوں کو اس طرح الگ کر دے۔ کہ خیر الگ ہو جائے۔ اور شر الگ ہو جائے۔ اور پھر شر کو فنا کر دے اور خیر کو قائم کر دے۔ اے میرے خدا تو ایسا ہی کر۔

عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں ۔۔۔ باہتمام قادیان سے ہی شائع کیا۔ ایڈیٹر :۔ رحمت اللہ خان شاکر